باسمہ

مواعظ اشرفیہ (۳) مسمّٰی

شفاء العی

العلم والعمل بہ

منجملہ ارشادات

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ عالم ربانی مولانا ومقتدانا حاجی حافظ قاری

شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہ

ناظر و ناشر

محمد سراج الحق مچھلی شہری

مکتبہ جامی واخوانہ حسن منزل الہ آباد

ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ

باہتمام عبد المجید مطبع اسرار کریمی الہ آباد میں چھپا

سنہ ۱۹۵۲ء

قیمت ۴۲ /

احمد حسن آرٹسٹ لکھنوی (الہ آباد)

فہرست مضامین وعظ شفاء العیّ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مواعظ اشرفیہ کریمی کا تیسرا وعظ

العلم والعمل نمبر ا

سلسلہ التبلیغ

سابق نمبر ۱۳۳

شفاء العی

اَین	متیٰ	کم	کیف	لم	من المخاطبون	ماذا	من ضبط	کم السامعون	الاشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	کیونکر ہوا	کیوں ہوا	کس طبقہ کو زیادہ مخاطب کیا تھا	کیا مضمون تھا	کس نے ضبط کیا	سامعین کی کتنی تعداد	متفرقات
چوک متصل مسجد کلو جان شہر انبالہ	شب جمعہ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ	·	بیٹھ کر	حسب فرمائش حافظ محمد صدیق صاحب	·	·	مولوی عبد الکریم صاحب گمتھلوی	۵۰۰	بعد عشاء باقتضا احباب جی کی تحریک پر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّہۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ وَنَشۡہَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ **اما بعد** فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما شفاء العی السؤال

یہ جملہ جسکو میں نے پڑھا ہے حدیث ہے یعنی ارشاد ہے حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا اسمیں حضور نے ایک نہایت ضروری مضمون ارشاد فرمایا ہے جسکی ضرورت عام اہل اسلام کو ہے جو غور کرنے سے معلوم ہوگی اور تعیین اُسکی ترجمہ سے ہو جاویگی۔ ترجمہ اسکا یہ ہے کہ بات یہی ہے کہ جہل کی شفا سوال ہے

جہل کے معنی ہیں ناواقف ہونا یعنی جو شخص ناواقف ہو اُسکی شفا سوال کرنا ہے یعنی پوچھ لینا تحقیق کر لینا اس ترجمہ سے مقصود کی اجمالی تعیین تو ہو گئی کہ مقصود ازالہ جہالت کا طریقہ بتلانا اور اسکی ترغیب دینا ہے یعنی جہل جو ایک مرض ہے حضور ﷺ اُسکے زایل کرنیکی ترغیب دے رہے ہیں اور اسکا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور ضرورت اُسکی غور کرنے سے معلوم ہوگی اور غور کی ضرورت اسلئے ہے کہ بعض اُمور واقع میں ضروری ہوتے ہیں لیکن ہماری نظروں میں ضروری معلوم نہیں ہوتے اسلئے ہم اُنکی تحقیق نہیں کرتے اسلئے غور کی ضرورت ہوگی تاکہ غور کرنے سے اُسکا ضروری ہونا معلوم ہو جاوے سو غور کی تقریر یہ ہے کہ خیال کرنا چاہئے کہ ہر مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے اطاعت الٰہیہ کو ضروری سمجھتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ اطاعت بدون علم کے کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ جبتک حکم معلوم نہ ہو اسکی بجا آوری ممکن نہیں اور تیسرا مقدمہ جسکو سب جانتے ہیں یہ ہے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا پس ثابت ہو گیا کہ مسلمان کیلئے احکام شریعت کا علم لازم ہے اور چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ علم حاصل ہونیکے طرق ہیں جو طریقہ عام اور سہل ہو سکتا ہے وہ اہل علم سے پوچھ لینا ہے بلکہ بعض اوقات خود اہل علم کو بھی باوجود مراجعت کتب کے اسکی حاجت ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں سے تحقیق کریں۔ اور یہ اتنی موٹی بات ہے کہ ادنی سے ادنی فہم والا بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے لیکن افسوس آج یہ مسئلہ ایسا نظری اور غامض و خفی ہو گیا جسکو اہتمام سے بیان کرنیکی حاجت ہوئی آجکل طرز عمل یہی ہو گیا ہے کہ احکام دین کوئی نہیں پوچھتا ہر آدمی ٹٹول کر دیکھ لے کہ ہر روز وہ کتنے احکام پوچھتا ہے ہر روز تو کیا بعض آدمی مہینوں میں بھی کوئی بات دین کی دریافت نہیں کرتے بعض کو سالوں میں بھی کسی بات کے تحقیق کرنیکی نوبت نہیں آئی یا تو اسلئے کہ وہ دین کا کوئی کام ہی نہیں کرتا جو ضرورت ہو پوچھنے کی کیونکہ دریافت وہی کرتا ہے جسکو کوئی کام کرنا ہو مثلاً جو شخص حج کا ارادہ رکھے وہ حج کا طریقہ ضرور دریافت کریگا۔ روزہ رکھنے والا روزہ کے مسائل کی تحقیق ضرور کریگا۔ نمازی کو نماز کے مسئلے ضرور دریافت کرنے پڑینگے یا زکوٰۃ کے مسئلے وہی دریافت کرتا ہے جسکو ادائے زکوٰۃ کا خیال ہوتا ہے اسیطرح میراث کے احکام وہ پوچھیگا جو دوسروں کا حق پہنچانا چاہتا ہو اور جسکو حق العباد دبالینے کی پرواہ نہو وہ کیوں پوچھیگا اور یا دین کا کام کرتا ہے مگر اپنی رائے سے کر لیتا ہے اور دونوں عذر نامقبول و نامعقول ہیں اور اس تحقیق نکرنے سے صدہا معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے مثلاً میراث ہی کے باب میں یہ بے پروائی ہے کہ بنا بر رواج کے یوں جانتا ہے کہ اس ترکہ میں کسی کا حق ہی نہیں، اور یا یہ خیال کر لیتا ہے کہ اسکی مقدار قلیل ہوگی مگر فی الحقیقت کثیر ہوتی ہے اور اگر قلیل بھی ہو تب بھی تو اسکا ادا کرنا واجب اور اخلال موجب وعید ہے (چنانچہ پنجاب میں عموماً

اخلال: کمی کرنا — وعید: سزا

ف: بعض امور غور نہ کرنے سے ضروری نہیں معلوم ہوتے

ف: مسائل وہ پوچھتا ہے جن پر عمل کرنا چاہتا ہے

رواج عام کے مطابق میراث تقسیم ہوتی ہے جو کہ زمانہ جاہلیت کی ایک ظالمانہ رسم ہے اکثر مسلمانوں کو حتی کہ ناخواندہ حضرات کو بھی کبھی گمان نہیں ہوتا کہ ہم کسی کا حق دبائے بیٹھے ہیں بیفکری سے حرام کو حلال سمجھ کر کھاتے ہیں علما پر واجب ہے کہ اس ظلم کے مٹانے میں امکانی کوشش صرف کریں افسوس علما کی جماعت خود اسی مرض میں مبتلا ہے ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ۱۲ جامع) یا پورے حق سے واقف ہیں مگر اسدرجہ تک اسکی ضرورت ذہن میں نہیں آئی جتنا کہ یہ مہتم بالشان ہے (اسکو ایک معمولی مسئلہ تصور کیا جاتا ہے حالانکہ حق العباد کا اہتمام حق اللہ سے بھی زیادہ بعض اعتبار سے ہونا چاہئے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے ودیوان لایترکہ اللہ ظلم العباد فیما بینھم حتی یقتص بعضھم من بعض ودیوان لایعبأ اللہ بہ ظلم العباد فیما بینھم وبین اللہ فذالک الی اللہ ان شاء عذبہ وان شاء تجاوز عنہ یعنی حق اللہ معاف ہو سکتا ہے لیکن حق العباد بدون ادا کئے چارہ نہیں اور اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حق اللہ کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان شاء ارشاد ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو معاف کردیگا معافی کا حتمی وعدہ نہیں ہے جسکی بنا پر حقوق خداوندی سے بے پروائی کا فتوی دیا جاسکے اور حقوق العباد بالخصوص حقوق مالیہ زیادہ قابل اہتمام ہیں کیونکہ حرام مال سے خیرات قبول نہیں ہوتی اور کھانے پینے یا کپڑے میں حرام مال صرف کرکے نماز قبول نہیں ہوتی نہ حج قبول ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں امید کہ اس مختصر معروض کو قبول کرکے اس ظلم عام کے رفع کیطرف توجہ منعطف فرمائینگے تفصیل کا یہ محل نہیں ۱۲ جامع)

اسیطرح احکام کی تحقیق نہونے سے چندہ جمع کرنے میں اسکی رعایت بالکل نہیں ہوتی کہ خوشی سے دے رہا ہے یا بغیر خوشی کے بلکہ تحصیل چندہ کیلئے ایسے اشخاص کو منتخب کیا جاتا ہے جنکے دباؤ سے ہر شخص کو خواہی نخواہی دینا ہی پڑے اگر کوئی متنبہ کرتا ہے کہ یہ جائز نہیں تو اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم کوئی اپنے واسطے تھوڑا ہی کر رہے ہیں ہم تو خدا کے کام میں کوشش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے ذہن میں یہ مسئلہ نہیں آیا کہ انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ) کی ترغیب کیلئے بھی طیب خاطر شرط ہے احکام نہ جاننا ہی سبب ہوا اس جواب کا اگر واقفیت ہوتی تو ایسی بات نہ کہتے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لئے چندہ جمع کرنے میں طیب قلب کی رعایت نکرنا اہون ہے خدا کیواسطے چندہ کرنیمیں اسکی رعایت نکرنیسے کیونکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جس فعل کا مقصود حاصل نہو وہ بیکار۔ اب مقصود چندہ پر غور کرنا چاہئے تو اپنے لئے چندہ جمع کرنیوالے کی غرض تو خود مال حاصل کرنا ہے پس وہ تو اس مقصود میں بہر حال کامیاب ہو جاتا ہے چاہے معطی (دینے والا) کو طیب قلب ہو یا نہو اور دین کیلئے چندہ کی غرض رضائے خداوندی ہے اور وہ جب نصیب ہوتی ہے کہ قواعد شرعیہ کے موافق کام کیا جائے ورنہ بجائے رضائے باری تعالی کے غضب الہی کا اندیشہ ہے پس اسکی کوشش بالکل ہی اکارت گئی

ف حقوق اللہ پر حقوق العباد

ف نماز کا مقبول نہ ہونا

ف چندہ جمع کرنے میں طیب قلب کی رعایت

اور مقصود سے بالکل ہی محرومی ہوئی اور بڑا فرق ہے اسمیں جو کامیاب ہوا اور اسمیں جو ناکامیاب رہا البتہ گناہگار دونوں ہوئے اور فرق یہ ہوا کہ ایک کو تو دنیا کا فائدہ حاصل ہوگیا اور دوسرے کو دنیا کا بھی فائدہ نہوا جسکی وجہ سے بالکل محروم ہوا پس ثابت ہوا کہ دینی چندہ میں احکام کی زیادہ رعایت کرنا چاہئیے اسیطرح احکام کی تحقیق نہونیسے یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو دو طرحکی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک معمولی چیزیں جیسے چارپائی چادر وغیرہ تو عادت یہ ہے کہ انکو للہ دیا جاتا ہے اور قیمتی چیزوں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور دونوں میں کوتاہی برتی جاتی ہے اس صدقہ میں تو دو خرابیاں ہوتی ہیں اول یہ کہ عموماً ان مستعمل چیزوں کو منحوس سمجھا جاتا ہے مثلاً جس چارپائی پر انتقال ہوا ہو اسکو استعمال کرنا معیوب خیال کرتے ہیں جن کپڑوں میں انتقال ہوا ہے انکو گھر میں رکھتے ہوئے عار آتی ہے غضب ہے کہ منحوس سمجھتے ہوئے خدا کے نام پر دیتے ہیں کیونکہ نعوذ باللہ وہی اسکے لائق ہیں افسوس لوگو نکو شرم نہیں آتی جب کھانا سٹر گیا تو اللہ کیواسطے ہوگیا ورنہ اپنے کھانے کا تھا نیا کپڑا اپنے لئے تھا اور جب پھٹ گیا تو اللہ کے نام تھوپ دیا۔ غرض کہ جو شئے نکمی ہو جاتی ہے وہ اللہ کے نام دیجاتی ہے حالانکہ اُدھر یہ ارشاد ہے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ حضرات صحابہ کی یہ حالت تھی کہ جب یہ آیتہ شریفہ نازل ہوئی تو ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتمیں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے سب سے زیادہ محبوب فلاں باغ ہے اسکو اللہ کے راستہ میں خرچ فرما دیجئے انکی یہ حالت تھی کہ سب سے عمدہ شئے اللہ کیلئے خرچ کرتے تھے تاکہ رضائے مولا حاصل ہو اور درحقیقت یہ اللہ کی رحمت ہے کہ صدقات کو اپنی طرف منسوب کیا ورنہ وہ کسی کا محتاج نہیں اُسنے مخلوق کو اپنا کوئی نفع حاصل کرنے کیواسطے پیدا نہیں کیا اور نہ اُسکو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے اُس نے مخلوق کو اسلئے پیدا کیا ہے تاکہ اُنکو انعام بخشے ؎

ف میراث میں ہماری بے احتیاطیاں
ف اللہ کے نام نکمی چیز نہ دو

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

وہ سب کو نفع پہنچاتا ہے سب چیزیں اور خود ہم بھی اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ایسی حالت میں کتنے ستم کی بات ہے کہ اسکے پسندیدہ مواقع میں خراب چیزیں خرچ کیجاویں۔ البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان پُرانی چیزونکو پھینکدیں جواب یہ ہے کہ پھینکو نہیں بلکہ مساکین ہی کو دو مگر اس نیت سے دو کہ انکی حاجت رفع ہو لیکن اگر خاص خوشنودی حق کیلئے دو تو وہ اچھی سے اچھی چیز ہونی چاہئیے اور فرق ان دونوں میں اس سے معلوم ہوگا کہ حضور رسول مقبول صلعم کا معمول تھا کہ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور صدقہ قبول نہ فرماتے تھے پھر دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ صدقہ تو اللہ تعالیٰ کے خوش کرنے کیلئے ہے جسکا مصرف فقرا ہیں اور ہدیہ میرے خوش کرنے کیلئے ہے ہدیہ میں محض مہدی الیہ کا دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے ثواب کی نیت اُسمیں
جسے دیا جائے

ف پُرانی چیز غربا کو دینے میں کیا نیت کرے

نہیں ہوتی گو بالواسطہ ثواب ملجاتا ہے کیونکہ تطییب قلب مسلم بھی عبادت ہے لیکن براہ راست ثواب مقصود نہیں ہوتا اور صدقہ میں براہ راست ثواب ہی مقصود ہوتا ہے اور اسیواسطے اگر کسی کے پاس صدقہ بھیجیں اور وہ نہ لے تو دوسرے کو دیدیا جاتا ہے اور ہدیہ جسکے پاس بھیجا جاوے اگر وہ نہ لے تو خود کھا پی لیتے ہیں یا مستقل قصد سے اور کسی کو ہدیہ دیدیتے ہیں جب ہدیہ اور صدقہ میں فرق سمجھ لیا تو ایسا ہی فرق گھٹیا اور بڑھیا چیز کے دینے میں بھی ہے کہ اعلیٰ شئے اللہ کے نام پر ثواب کیلئے دو اور ادنیٰ شئے کسی مسکین کو رفع حاجت کیلئے دیدو گو اجر اس سے بھی ملجاویگا مگر اللہ کے نام پر خراب شئے دینے میں جو برائی تھی اس سے احتراز ہو گیا کیونکہ تم نے وہ اللہ کے نام پر نہیں دی بلکہ مسکین کو رفع حاجت کیلئے دی ہے اب سب اشکالات رفع ہو گئے اور سب نصوص جمع ہو گئے۔ دیکھئے احکام نہ جاننے سے اتنی کوتاہیاں ہوتی ہیں اسی لئے علم کی بہت ضرورت ہے یہ تو صدقہ کی دو خرابیوں میں سے ایک خرابی کا بیان تھا کہ مردہ کے ایصال ثواب کیلئے وہ چیز دیجاتی ہے جسکو منحوس سمجھتے ہیں۔ اب اسی صدقہ کے متعلق دوسری کوتاہی بتلاتا ہوں جو عام طور پر ہوتی ہے مگر نہ دینے والوں کو اسکی خبر ہے نہ لینے والوں کو افسوس بڑی غفلت ہے احکام شرعیہ سے۔ سنئے حکم شرعی یہ ہے کہ کل ترکہ میت کا مشترک ہے درمیان ورثہ کے اور مشترک مال کو بلا اجازت دیگر شرکاء کے صرف کرنا جائز نہیں پس ترکہ میں کا ایک کرتہ یا پائجامہ حتی کہ ٹوپی کمربند رومال بلکہ ایک سوئی تک بھی قبل از تقسیم بلا رضامندی سب ورثہ کے کسی کو دینا جائز نہیں مگر آجکل اسکی مطلق پروا نہیں۔ دیتے ہیں ثواب کیلئے اور ہوتے ہیں گناہگار خدا بچاوے جہالت سے اور توفیق فرماوے علم و عمل کی (آمین ثم آمین) مشترک مال کے خرچ کرنیکی چند شرطیں ہیں ایک اجازت دوسرے اجازت دینے والے کا عاقل بالغ ہونا تیسرے طیب خاطر سے اجازت دینا یہ شرطیں یہاں بھی ملحوظ رہیں تینوں باتوں کو خوب دیکھنے کے بعد خرچ کیا جاوے تو جائز ہوگا ورنہ حرام یعنی سب ورثہ سے اجازت لیجاوے اور ان میں کوئی نابالغ نہو مجنون نہو اور اجازت خوشی سے دیویں اگر کسی کے دباؤ سے یا بنا بر رواج کے اجازت دیگئی تو وہ معتبر نہیں کیونکہ اسمیں طیب خاطر نہیں ہوتی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی وارث کا دل نہیں چاہتا مگر انکار میں سبکی (ذلت) ہوتی ہے اسلئے اجازت دیجاتی ہے۔ یاد رکھو حدیث شریف میں صاف وارد ہے الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ یعنی کسی مسلمان کا مال بدون اسکے دلی خوشی کے لینا حلال نہیں پس اصل صورت تو اسکی یہی ہے کہ ترکہ تقسیم کر کے ہر شخص کا حصہ اسکو پہنچا دیا جاوے سب منقول و غیر منقول کو باہم تقسیم کر لو اسطرح کہ جو چیزیں ذوات الامثال ہیں مثلاً غلہ انکو بجنسہ بانٹ لو اور جو متماثل نہ ہوں اسکی آسان صورت یہ ہے کہ اسکی قیمت لگا لو اور اگر اختلاف ہو تو قرعہ ڈال لو

ف: صدقہ و ہدیہ کا فرق

ف: میت کی کوئی چیز قبل تقسیم کے خیرات نہ کریں

ف: ترکہ کی تقسیم کا طریقہ

یا بنیلام کرکے دام تقسیم کرلو غرض سب کی رضامندی سے جب پورا ترکہ تقسیم ہوچکے تو پھر جسکا دل چاہے اپنے
اپنے حصہ میں سے خیرات کردے یہ بیان تھا صدقہ کی کوتاہیوں کا اب تقسیم ترکہ کی کوتاہی سنئے اول تو جس
وارث کو شریعت نے مستحق ٹھیرایا ہے اُسکے مطابق آجکل ورثہ کے حقوق ہی نہیں سمجھتے بلکہ رواج عام جسکو وارث
کہے وہی حقدار قرار دیا جاتا ہے یہ پورا اور صریح مقابلہ ہے شریعت کا جس سے کفر کا اندیشہ ہے اس سے توبہ کرو اور
شریعت کیمطابق میراث تقسیم کیا کرو چنانچہ آجکل بہنوں کا ترکہ میں کچھ حق نہیں شمار کیا جاتا اور اگر کسی نے بہن کو حقدار
سمجھا بھی تو اُس سے معافی کرانے کی فکر کیجاتی ہے معافی کیصورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ مجھے کچھ ملنا تو ہے
نہیں (کیونکہ ظالموں نے قانون میں بہن کو محروم الارث کرار رکھا ہے) تو بھائیصاحب سے بُری کیوں بنوں
تو وہ مجبور ہوکر اپنا حق معاف کردیتی ہے اور جہاں قانوناً اُسے حق مل سکتا ہے (جیسا کہ اضلاع سہارنپور و
مظفرنگر وغیرہ میں) وہاں بھائی صاحب سے حصہ لینے میں بدنامی سمجھتی ہے اسلئے معافی پر آمادہ ہوجاتی ہے
اور بھائیصاحب اُسکو حلال طیب خیال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں متبع شریعت ہونیکا کہ ہم نے تو بہن سے کہا تھا
اُسنے خود ہی اپنا حق چھوڑدیا پس جاننا چاہئے کہ یہ معافی معتبر نہیں البتہ اگر ہمشیرہ کو اُسکا حق سپرد کردیا جاوے
پھر وہ قبضہ کے بعد بلکہ چندروز اُس سے منتفع ہونیکے بعد جس سے اُسکو اُسکی حقیقت منکشف ہوجاوے طیب خاطر
سے ہبہ کردے تو جائز ہوسکتا ہے ورنہ بلا طیب خاطر کے یہ رسمی اجازت ہرگز معتبر نہیں (و نیز بلا تقسیم کئے ہوئے
نہ ہبہ صحیح ہے نہ معافی معتبر ہے کیونکہ ہبۃ المشاع اور ابراء عن الاعیان باطل ہے کما ہو مصرح فی کتب الفقہ ۱۲
جامع) اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ اکثر لوگ اِن مسائل سے یا تو ناواقف ہیں یا واقف ہیں مگر ضروری العمل نہیں
سمجھتے نیز یہ احکام جسقدر جہ اہتمام کے قابل ہیں وہ درجہ اُنکے ذہن نشین نہیں اسکے علاوہ اور بہت معاملات ہیں
جنمیں احکام شرعیہ کی تحقیق نہونیسے ایسا ہی برتاؤ ہورہا ہے چنانچہ نوکری اور تجارت میں حلال و حرام کا کچھ
امتیاز نہیں حتیٰ کہ بہت لوگ ناجائز کے جواز کی تمنا کرتے ہیں چنانچہ ایک بیرسٹر صاحب الہ آباد میں کہتے تھے
کہ آجکل مسلمانوں کا افلاس حرمت سود کیوجہ سے ہورہا ہے علماء کو چاہئے کہ سود کے جواز کا فتویٰ دیدیں ایک
مولویصاحب نے فرمایا کہ جب قرآن شریف میں سود کو حرام کردیا گیا ہے تو اہل علم کو کیا اختیار ہے جائز کہدینے
کا وہ تعجب کیساتھ بولے کہ کیا قرآن شریف میں اسکی حرمت آئی ہے مولویصاحب نے کہا جی ہاں اُس نے کہا
مجھے خبر نہیں میں تو سمجھتا تھا کہ علماء نے خود ہی حرام کر رکھا ہے ان مجموعی حالات سے پتہ لگتا ہے تعلیم احکام
شرعیہ کی ضرورت کا میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی عمل بھی نکرے تب بھی مسائل کا جاننا اور پوچھنا لازم ہے بعض
لوگ کہتے ہیں کہ احکام پوچھنا نہ چاہئے کیونکہ معلوم ہونے پر پھر خلاف کیا تو سخت گناہ ہوگا اور بلا معلوم ہوئے
جو کوتاہی ہوجاوے وہ قابل گرفت نہیں مگر یہ محض من گھڑت اور لغویات ہے کیا نعوذ باللہ خدا تعالےٰ

ف۔ رواج کا وارث وارث نہیں

ف۔ بہن اپنا حق معاف کرے تو معتبر نہیں

ف۔ بلا تقسیم نہ ہبہ صحیح ہے نہ معافی

ف۔ عمل نہ بھی کرنا ہو تب بھی مسائل پوچھے

ایسے بھولے ہیں کہ آپ کے بہلانے میں آجا دینگے کیوں صاحب اگر اللہ تعالیٰ یہ دریافت فرمائیں کہ تمنے خبر کیوں نہیں حاصل کی۔ تو جواب کیا دو گے یہ عذر بے علمی کا جب مقبول ہو سکتا ہے جبکہ باوجود کوشش کے معلوم نہ ہو سکے اور جب دل میں ایک بات کے متعلق شک ہے اور بتلانے والے موجود ہیں تو پھر یہ عذر کیسے معتبر ہو سکتا ہے اور ایسے باطل خیالات اور مقالات لوگوں کے ذہن اور ذہن میں دین ہی کے باب میں آتے ہیں دنیا کے معاملات میں کبھی نہیں آتے چنانچہ دنیا کے حکام کو دیکھتے ہیں کہ اگر مجرم عدم علم قانون کا عذر کرے تو یہ اُنکے نزدیک معتبر نہیں ہوتا وہاں کوئی چون وچرا نہیں کر سکتا وہاں تو خود ہی فتوے لگا دیتے ہیں کہ وکیل اور بیرسٹر موجود ہیں ملزم کو اُنسے دریافت کرنا چاہئے تھا اور یہ سمجھنا کہ جانکر گناہ کرنا زیادہ عذاب کا باعث ہے من وجہ صحیح ہے مگر علی الاطلاق من کل الوجوہ غلط ہے کیونکہ مسلمان کے ذمہ دو فرض ہیں علم اور عمل پس فرض علم کو ادا کر کے وہ ایک فرض سے تو سبکدوش ہو گیا (ایک طرح) اور بے علم دو گناہوں کا مرتکب ہے پس بتلائیے دو گناہ زیادہ ہیں یا ایک یقیناً دو گناہ زیادہ ہیں البتہ جاننے والے کا عملی گناہ نہ جاننے والے کے عملی گناہ سے اشد ہوگا مگر جاننے والا بے علمی کے گناہ سے محفوظ ہوگا اور جاہل بلا عذر کو بے علمی کا گناہ بھی ہوگا پس لازم ہے کہ عزم عمل کا انتظار نکرے بلکہ احکام دریافت کرتا رہے جب عمل کی توفیق ہوگی اسوقت یہ علم کام آویگا جیسا کہ کسی خارشتی نے علاج تو نہیں کیا مگر مجرب نسخہ یاد کر لیا ہے سو یہ بھی مفید ہے کیونکہ جب کبھی اسکو علاج کیطرف توجہ ہوگی تو نسخہ تو پاس موجود ہے علاج کر لیگا اور اگر نسخہ بھی یاد نہیں تو دو مشقتیں اُٹھانی پڑینگی۔ ایک نسخہ تلاش کرینگی اور دوسرے دوا استعمال کرینگی پس اسلم یہی ہے کہ ہر حال میں احکام شرعیہ معلوم ہو جاویں صاحبو! عمل میں تو دشواری بھی ہے مگر دریافت کرنے میں کیا مشقت ہے جسکو حرمت رشوت کا اجمالاً علم ہے اُسکو ترک رشوت تو بے شک کسیقدر دشوار ہے لیکن اُسکے تفصیلی مسائل پوچھنے میں کیا تکلیف ہوگی۔ جانکر گناہ کرنا بیشک زیادہ بُرا ہے مگر جو پوچھ پاچھ کر کے قادر ہو جاننے پر وہ بھی جاننے والے ہی کے برابر ہے اُسکے گناہ کی کمی پر کوئی دلیل نہیں اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص قصداً رمضان کا چاند نہ دیکھے تو کیا جب تک یہ اپنی نظر سے چاند نہ دیکھیگا اُسپر روزہ فرض نہ ہوگا البتہ اگر انتیس کو بوجہ ابر وغیرہ کے باوجود تلاش کے نظر نہ آیا تب معذور ہے پس جو شخص دریافت کر سکتا ہے اُسپر دریافت کرنا واجب ہے اور اگر نہ کریگا تو اسکو ایسا ہی گناہ ہوگا جیسا مسئلہ جانکر عمل نکرنے میں گناہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حیثیت میں مختلف ہوں ایک حیثیت سے بے علمی کا گناہ زیادہ ہو اور دوسری حیثیت جان بوجھکر معصیت کرنیکا زیادہ گناہ ہو بعض لوگ وعظ میں اسلئے نہیں جاتے کہ مسئلہ سنکر عمل کرنا پڑیگا سبحان اللہ اور کیا

ف: علم سیکھنا بھی فرض ہے اور عمل بھی فرض ہے

باوجود قدرت علی تحصیل العلم کے تم کو عدم علم کا گناہ نہو گا غرضکہ لوگ تحقیق کو یعنی مسائل پوچھنے کو ضروری نہیں سمجھتے اس بلا میں سب مبتلا ہیں اسیواسطے اس بیان کی ضرورت ہوئی الحمد للہ کہ اب مضمون کی تعیین بھی ہوگئی اور اسکی ضرورت بھی ثابت ہوگئی۔ اب حدیث شریف کی شرح عرض کرتا ہوں سو حدیث کے تین اجزا ہیں اور ہر ایک میں جداگانہ فائدہ ہے اور ہر فائدہ ایک علم مستقل ہے چنانچہ اول فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے شفا کی اضافت جہل کیطرف فرمائی ہے جس سے جہل کا مرض ہونا معلوم ہوگیا یہ بات اسلئے بتلانا ضروری ہے کہ لوگ عموماً اس مرض سے غافل ہیں امراض جسمانی کو تو لوگ مرض سمجھتے ہیں مگر روحانی مرض کو مرض ہی نہیں جانتے اگر کسیکو دق یا سل وغیرہ ہوجائے تو مزاج پرسی ہی کے جواب میں مریض ہونا ظاہر کیا جاویگا اور اگر ان امراض مذکورہ سے محفوظ ہوں تو ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ الحمد للہ اچھا ہوں چاہے باطن میں کتنے ہی امراض ہوں امراض باطنہ کی تو پرواہی نہیں کیجاتی ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ف: لوگ عموماً جہل سے غافل ہیں

چند خوانی حکمت یونانیاں،	حکمت ایمانیاں راہم بخواں،
صحت ایں حس بجوئید از طبیب	صحت آں حس بجوئید از حبیب

یعنی ایک حواس ظاہری ہیں ایک باطنی پس باطن یعنی قلب کی اصلاح اہل اللہ سے ڈھونڈو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ کہ قرآن پاک شفا ہے امراض قلب کیواسطے اس سے بھی امراض باطنہ کا اثبات ہوتا ہے غرض یہ جہل بھی ایک مرض ہے اور مرض بھی شدید بلکہ اشد کیونکہ امراض جسمانی کا انجام تو صرف ہلاک دنیوی ہی ہے اور ہلاک دنیوی کی حقیقت کیا ہے کچھ بھی نہیں بلکہ وہ تو دراصل جملہ امراض سے فارغ ہوجانا ہے اسکے بعد وہ حیات ہے جو بنا بر اخبار صادقہ منقطع ہی نہیں ہوسکتی بخلاف مرض روحانی کے کہ اسکا انجام ہلاک اُخروی ہے جو یا ابدی ہے یا غیر ابدی ممتد ارشاد ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ وہاں تو ایک دن کی سزائے قید ہزار برس کے برابر ہے اور پھر امتداد کیساتھ وہاں کی قید میں اشتداد بھی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہاں کی آگ یہاں کی آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے جب اسی آگ کی برداشت نہیں ہوسکتی تو اسکی کیسے ہوگی تمام بدن تو درکنار ایک دیا سلائی کی آگ انگلی تک پہنچ جائے تو تحمل نہیں ہوتا اور وہ آگ تو محیط ہوگی کہ انسان اسمیں غرق ہوگا اور رگ وپے تک آگ پہونچیگی اسکی برداشت کیسے ہوسکتی ہے اور کون برداشت کرسکتا ہے اور کافر کیلئے تو عذاب ابدی ہے یعنی ہمیشہ جہنم میں رہینگے ہرگز ہرگز کسیطرح رہائی نہو سکیگی اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کافر وہ ہے جو کفر کا کام کرے یا کفر کی بات کہے اگرچہ عقائد کفریہ نہوں پس اگر کوئی مسلمان کفر کا کام کریگا جیسے بلا عذر زنار پہن لینا وہ بھی کافر ہوجاویگا۔ یا جب زبان سے کلمہ کفر کا کہا فوراً کفر عاید ہوجائیگا اس سے بھی آجکل نہایت بے پروائی ہورہی ہے مثلاً بعض لوگ کہدیتے ہیں کہ روزہ وہ رکھے جسکے پاس کھانیکو

ف: عذاب اُخروی یا تو ابدی ہے یا غیر ابدی ممتد

ف: کافر کی صحیح تعریف

نہو اور کچھ خیال نہیں ہوتا کہ ہم نے کس درجہ کا گناہ کیا حالانکہ وہ کافر ہو گیا اب یا تو اُسکو اپنے کفر کی خبر نہیں یا خبر ہے مگر کفر کو خفیف خیال کرتا ہے اور درحقیقت یہ کلمہ بہت شدید اور سخت ہے بعض کہتے ہیں ہم نے تو مذاق میں کہا تھا تو سُن لو کہ دین سے مذاق کرنا بھی کفر ہے حقتعالی کا ارشاد ہے قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ اس سے صاف معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کیساتھ تمسخر کرنیوالا بھی کافر ہے پھر اسپر ایک اور ستم ہے وہ یہ کہ آجکل اگر کوئی عالم یہ فتوی دیتا ہے کہ تم کافر ہو گئے تو اُسپر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسے مولویصاحب ہیں جو مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں اے صاحب خبر بھی ہے کہ بنانیکے کیا معنی ہیں۔ بنانے کے معنی ہیں تعلیم دینا چنانچہ مسلمان بنانیکے معنی سب کے نزدیک یہی ہیں کہ کافر کو اسلام کی تعلیم دینا تو تم جو مولویوں پر اعتراض کرتے ہو کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں تو کیا وہ کسی کو کفر کی تعلیم کرتے ہیں ہرگز نہیں ہاں وہ دلیل کی بنا پر کسی کو کافر ضرور کہتے ہیں اور کافر کہنا کافر بنانا نہیں دیکھو کافروں کو مسلمان کہدینے پر کسی کے نزدیک بھی مسلمان بنانا صادق نہیں آتا بلکہ کافروں کو اسلام کی تعلیم دینے سے البتہ کہا جاویگا کہ اس نے فلاں کافر کو مسلمان بنایا ہے اسیطرح کافر بنانیکے یہی معنی ہونگے کہ کسی شخص کو کفر کی بات سکھادیں تو ایسا کس عالم کو دیکھا ہے اور اگر فتویٰ دیا تو اسکو کافر بنانا (نون سے) نہیں کہہ سکتے البتہ یہ تو کافر بتانا (تا سے) ہے ایک نقطہ کا فرق ہے (اس نکتہ کو یاد رکھنا) بس یہ الزام علماء پر خواہ مخواہ کا ہے بلکہ وہ تو خیر خواہی کرتے ہیں کہ تمہارے قول و فعل کا انجام بتلا کر اُس سے محفوظ رہنے کا طریقہ سکھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان رہو تو درحقیقت وہ مسلمان بناتے ہیں اور یہی اُنکا کام ہے تاکہ مسلمان اس کفر سے محفوظ رہیں خصوصًا وہ لوگ جو علوم معاش میں ترقی کر رہے ہیں انکا تو رات دن یہی شیوہ ہے کہ شریعت کا استہزا و استخفاف کرتے رہتے ہیں چنانچہ ایک بڑی لیاقت کے نو تعلیمیافتہ نے میرے سامنے ایک حدیث شریف کا مضمون سنکر کہا کہ مسلمانوں کو جولاہوں جیسے عقیدے سکھلائے جاتے ہیں اسکا کفر ہونا تو بالکل ہی ظاہر ہے اور بعض نو تعلیمیافتہ استہزا اور استحقار کے عنوان سے تو نہیں بلکہ رفع شبہہ کے طور پر علماء کیسامنے مسائل شرعیہ پر اعتراض کرتے ہیں مگر سُن لو کہ رفع شبہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک ادب کے عنوان سے اور ایک عناد کیساتھ آجکل اکثر عناد اور استخفاف کے طور پر شبہات پیش کرتے ہیں اور جب علماء کو انکی بیتمیزی کی باتوں پر غصہ آتا ہے تو پھر کہتے ہیں غصہ کرنے لگے ہمکو جواب نہیں دیا سبحان اللہ جب شریعت کیساتھ گستاخی سنکر علماء کو غیرت آتی ہے تو اُنکو بدمزاج کہا جاتا ہے صاحبو جب تم اپنے ماں باپ کی شان میں کسی کو گالی دیتے ہوئے سنکر جامہ سے باہر ہو جاتے ہو تو کیا خدا کی اتنی وقعت بھی علماء کے قلوب میں نہو کہ اُنکی بے ادبی سنکر انھیں غصہ آجاوے غرض ان سب واقعات کی وجہ وہی مرض جہالت ہے مگر اسپر بھی لوگوں کو تندرست ہونیکا دعویٰ ہے پھر

ف: یہ غلط ہے علماء کسی کو کافر بناتے ہیں

ف: کافر بنانے کے معنی

ف: رفع شبہ کا نام لیکر مسائل شرعیہ پر اعتراض کرنا برا ہے

مگر غور سے سن لو کہ عذاب نار کی ابدیت اُسی کیساتھ خاص نہیں جسکو سب لوگ کافر سمجھتے ہوں بلکہ جو شخص بھی کفر کرے اُسکی یہی سزا ہے کہ ہمیشہ جہنم میں رہیگا جب امراض روحانی کا یہ انجام ہے تو بتلاؤ مرض جسمانی اشد ہوا یا روحانی۔ بلکہ مرض جسمانی پر تو ثواب دیا جاتا ہے بخار سے گناہ اسطرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں سے پتے گرتے ہیں۔ حتی کہ اگر کسی کے ایک کانٹا لگ جاوے اُسپر بھی حق تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں بخلاف اس مرض روحانی کے کہ اسمیں ثواب تو درکنار اُلٹا خدا کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے مگر افسوس کہ اسکو بیماری ہی نہیں سمجھتے حتی کہ اُسکی سزا کو دیکھ کر ذہن میں یہ بات نہیں آتی چنانچہ جب کوئی جسمانی بیماری ہمکو لاحق ہوتی ہے تو یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ ہمارے افعال کا نتیجہ ہے بلکہ آب و ہوا خراب ہونیکی طرف گمان کیا جاتا ہے اور اُسی کی صفائی کا اہتمام ہوتا ہے اور امراض باطنہ کیطرف اور اصلاح اعمال کیجانب اصلا توجہ نہیں کرتے حالانکہ بعض امراض جسمانیہ مسبب ہوجاتے ہیں امراض روحانیہ یعنی معاصی کے اور سبب نہیں ہوتے امراض روحانیہ کے کیونکہ وہ تو اپنی ذات میں رحمت ہیں البتہ اگر سوء فہم سے مرض میں بیجا شکایت کی تو اس عارض کے سبب گناہ ہوگا باقی فی نفسہ مرض جسمانی سبب رحمت ہی ہے عدم تحمل سے کوئی سخت کلمہ کہدیا سو یہ قبیح بالواسطہ ہے جو کہ اُسکے تصرف سے پیدا ہوگیا غرض امراض جسمانی اور امراض روحانی میں ایکطرف سے سببیت و مسببیت کا خاص علاقہ ہوجاتا ہے جیسا کہ خود امراض جسمانی میں بھی ایک دوسرے مرض میں علاقہ قائم کیا جاتا ہے مثلاً زکام کو بخار کا سبب قرار دیکر زکام کا علاج کرتے ہیں مگر روحانی اور جسمانی مرض میں علاقہ کا اعتقاد نہیں کرتے حالانکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم یعنی تمکو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمھارے ہاتھوں کے کرتوت کی بدولت ہے پس معلوم ہوگیا کہ امراض روحانی یعنی معصیت کبھی سبب ہوجاتا ہے امراض و تکالیف جسمانی کا بعض روایات کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا رومی کا ارشاد ہے ؎

ابر نابد از پے منع زکات   وز زنا اُفتد وبا اندر جہات

لوگ کہتے ہیں اسمیں جوڑ نہیں۔ صاحبو! جوڑ اچھا خاصہ ہے مگر جو علم شریعت اور حقیقت سے بے بہرہ ہو اُسکی سمجھ میں نہیں آتا اُسکی توضیح ایک مثال سے ہوجاویگی وہ یہ کہ جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ پھانسی کسی جرم کیوجہ سے ہوا کرتی ہے اُسنے کسیکو پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھا اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اُس نے ایک خون کردیا تھا وہ سبب ہوا اس موت کا وہ کہتا ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ میں بتلاتا ہوں میں نے خود دیکھا ہے کہ اسکے گلے میں ایک رسی ڈالکر پاؤں کے نیچے سے تختہ کھینچ دیا تھا اسکا گلا گھٹا اور مر گیا یہ سبب ہے اسکی موت کا ورنہ کسی کو مار دینے اور اسکی جان جانے میں کچھ علاقہ اور جوڑ نہیں ہے اسوقت عقلمند اور قانون داں اسپر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ دراصل اسکے جرم ہی پر یہ حاکم نے یہ حکم دیا کہ گلے

ف جو بھی کفر کرے گا اسے ابدی عذاب ہوگا

ف مگر روحانی مرض کو مرض ہی نہیں سمجھتے

ف روحانی مرض سے جسمانی مرض لگتا ہے

میں رسی ڈالکر تختہ کھینچ لو اصل سبب یہی جرم ہے کہ اُس نے خون کیا تھا پس جسطرح اس ناواقف کو سب بیوقوف اور پاگل بنائینگے اور خون کرنے اور پھانسی دیئے جانے میں جوڑ کا پختہ یقین کرتے ہیں اسی طرح طاعون وغیرہ میں اور گناہوں میں پورا جوڑ ہے دہاں حکم حاکم سے یہ سب کچھ ہوا تو یہاں بھی معاصی کی سزا میں حاکم حقیقی کے حکم سے جراثیم پیدا ہوئے اور اُس سے طاعون پھیلا اسمیں کونسی باریکی ہے جو آپکی سمجھ میں نہیں آتی دیکھا آپنے کہ مرض روحانی اور مرض جسمانی میں کیسا علاقہ ہے تعجب ہے کہ اسکی طرف اصلا التفات نہیں اور ناخواندہ حضرات کی تو کیا شکایت افسوس یہ ہے کہ تعلیمیافتہ طبقہ بھی اس سے غافل ہے (خصوصاً طالبان علم دین کی غفلت زیادہ قابل تاسف ہے) بہرحال ایک تو یہ حالت ہے کہ مطلقاً باطنی امراض کو مرض ہی نہیں سمجھا جاتا اور اگر سمجھتے بھی ہیں تو سب امراض کو امراض نہیں سمجھتے چنانچہ اختلال فی العمل یعنی بدعملی کو تو گناہ سمجھتے ہیں مثلاً نماز نہ پڑھے تو اُسکو گناہگار جانتے ہیں لیکن اختلال فی العلم یعنی ترک علم کو گناہ ہی نہیں خیال کیا جاتا مثلاً ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور اسکے مسائل نہیں سیکھتا تو اس کو کوئی گناہ نہیں جانتا حتیٰ کہ (خطا معاف) جو علم دین حاصل کر رہے ہیں اُنکے ذہن میں بھی یہ بات نہیں کہ ہمکو مرض جہل سے شفا حاصل کرنیکے قصد سے علم حاصل کرنا چاہیئے مگر تاہم اُنکو مرض جہالت سے شفا تو ہو جاویگی کیونکہ دوا پینے کی خاصیت ہے کہ پینے والا تندرست ہو جاتا ہے گو نیت کچھ ہی ہو البتہ اگر اس نیت سے پڑھتا کہ مرض جہل دور کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے تحصیل علم فرض کر دی ہے اور میں اس فرض کو ادا کر رہا ہوں تو اور زیادہ اہتمام کرتا بخلاف اُس شخص کے جو مقتدا وغیرہ بننے کیلئے پڑھتا ہے اُسکو علم کا اتنا اہتمام نہوگا دوسرے یہ کہ اُسکو ضروری اور غیر ضروری علوم میں امتیاز نہوگا اور اسکو نہوگا پس اسکا انجام یہ ہوگا کہ ؎

مولوی گشتی و آگہ نیستی ۔۔۔ خود کجائی و از کجائی کیستی

اور فرماتے ہیں ؎

ایھا القوم الذی فی المدرسہ ۔۔۔ کل ما حصلتموہ وسوسہ

علم نبود غیر علم عاشقی ۔۔۔ مابقی تلبیس ابلیس شقی

علم رسمی سر بسر قیل ست و قال ۔۔۔ نے ازو کیفیتی حاصل نہ حال

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت ۔۔۔ زنگ گمراہی ز دل بزدایدت

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند ۔۔۔ خوف و خشیت در دلت افزوں کند

تو ندانی جز یجوز و لا یجوز ۔۔۔ خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز

اگر زوائد ثلثہ میں سے (جو کہ دراصل زوائد ہیں) ایک بھی کم ہو جائے تو اسکو قلق ہوتا ہے اور اگر

منطق کی کتابیں

ف گناہوں سے طاعون کا پھیلنا ۱۱۰

ف طالبعلموں کی اکثر نیت کچھ نہیں ہوتی

دینیات میں سے جلالین آدھی ہوئی اُسوقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہم پورے مولوی نہیں ہوئے بلکہ مطالعہ ہی کو کافی سمجھتے ہیں (اور اکثر تو مطالعہ کو بھی لازم نہیں جانتے) حالانکہ تفسیر بالرائے کی سخت ممانعت آئی ہے ہاں اگر منقولات میں تبحر کے باوجود قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذوق سے کچھ بیان کرے تو وہ مقبول ہے لیکن جسکو قرآن کی خبر ہی نہیں حالت یہ ہے کہ ترجمہ بھی درست نہو سکے مگر تفسیر کرنیکو تیار ہیں وہ تفسیر بالرائے اور محل وعید ہے علم دین میں تو یہ کیفیت اور زوائد ثلثہ سب کا یاد کرنا لازمی ہے افسوس یہ ہماری حالت ہے جو کہ عالم دین کہلاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ غایت کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ غیر مقصود میں مشغول ہو گئے اسی واسطے فرماتے ہیں ؎

ف تفسیر بالرائے پر وعید ہے

جملہ اوراق کتب در نار کن ۔۔۔ سینہ را از نور حق گلزار کن

اسمیں علوم زائدہ اور مضرہ مراد ہیں اور استغراق عرفی ہے حقیقی نہیں خلاصہ یہ کہ ہم جہل کو مرض اور معصیت نہیں جانتے اسلئے علوم کیطرف توجہ نہیں اور ضروری اور غیر ضروری میں امتیاز نکرنیکا مرض تو عوام و خواص سب ہی میں ہے۔ چنانچہ عوام کی یہ حالت ہی کہ جب کوئی عالم آیا تو اختلافی مسئلوں میں اُسکا امتحان شروع کر دیتے ہیں میں ایک جگہ گیا تو ایک شخص نے گیارہویں کے متعلق سوال کیا میں نے جواب دیا کہ استفادہ مقصود ہے یا امتحان اگر استفادہ کیغرض ہے تو اُسکے لئے اعتماد شرط ہے کیونکہ جسپر اعتماد نہیں ممکن ہے کہ وہ غلط مسئلہ بتلا دے اور اعتماد کیلئے واقفیت شرط ہے اور آپ میری اصلی حالت سے ناواقف ہیں پس جن حضرات سے آپکی واقفیت ہے اُنسے دریافت کیجئے اور اگر امتحان مقصود ہے تو میرا امتحان میرے اساتذہ لے چکے ہیں آپکو اسکا کوئی حق نہیں (یہ جواب حضرت والا نے اسواسطے دیا کہ قرائن سے اس سائل کی نیت معلوم کر لی تھی کہ محض امتحان مقصود ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ ناواقف کو بالکل مسئلہ نہ بتلایا جاوے) ایسے ہی واقعات کی بنا پر میں سخت مزاجی میں بدنام ہوں مگر میں کیا کروں جبکہ ایسے لوگونکو تحقیق ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ محض یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہی کہ اسکا مسلک کیا ہے اور جب جواب ملنے سے مسلک کا علم ہو گیا تو پھر مجیب سے کہتے ہیں کہ فلاں عالم تو اسکے خلاف کہتے ہیں پھر اُس مجیب نے اتفاقاً اُسکو بُرا بھلا کہہ دیا اسکو وہاں پہنچاتے ہیں اب دونوں میں لڑائی پیدا ہو گئی یہ نتیجہ ہی اُنکی تحقیق کا حالانکہ جس سے تحقیق کیجاوے اُسکے ساتھ اعتماد کی یہ حالت ہونا چاہئے ؎

ف جہل معصیت ہے اور ضروری و غیر ضروری میں امتیاز نہ کرنا مرض ہے

دلارامے کہ داری دل درو بند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور ؎ ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے ۔۔۔ چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

ایسا تعلق ہو تب دریافت کرنا مفید ہوگا مگر بات یہ ہے کہ ضروری و غیر ضروری میں امتیاز جب کریں جبکہ جہل کو معصیت سمجھتے ہوں جو شخص بیمار ہوگا اُسکو فضول باتوں کی کب فرصت ہوگی بلکہ وہ تو اپنے

مرض کی دوائیں حکیم سے پوچھیگا نہ یہ کہ شلجم کا اچار کیسے بنتا ہے اگر کسی کو اچار ہی کی ترکیب معلوم کرنا ہو تو باورچی سے دریافت کرو طبیب سے کیوں پوچھتے ہو اب علما کیساتھ یہ برتاؤ ہو رہا ہے جیسا کہ سنار کے پاس کھرپا بنوانے جاویں اور علماء سے تو یہی برتاؤ ہے کہ اُن سے کوئی فضول مسئلہ ہی پوچھیگا لیکن ہوگا تو وہ ظاہر میں مسئلہ ہی مگر صوفیہ سے تو ایسی باتیں پوچھتے ہیں جو ظاہر میں بھی دین نہیں مثلاً یہ کہ ہمارے باپ کی نوکری کب لگے گی چنانچہ مجھے ایک شخص نے خط لکھا کہ میں دوا کی دوکان کروں یا بانونکی میں نے جواب میں لکھا کہ میرا باپ نہ عطار تھا نہ کھٹ بنا جو میں اس میں مشورہ دوں ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ہم سے تو محبوب حقیقی کے راضی کرنیکا طریقہ دریافت کرو بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بزرگ صاحب گو تجربہ نہیں رکھتے مگر الہام سے بتلا دینگے اور وہ بالکل صحیح ہوگا سو یاد رکھنا چاہئے کہ اول تو الہام اختیاری نہیں پھر ہمیشہ نہیں ہوتا

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جو اُنکے منہ سے نکلیگا اُسکا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہی ہو گیا نعوذ باللہ منہ خدا بچاوے شرک سے اسلئے لوگ مجذوبوں کو بہت دق کرتے ہیں اُنکو تو اللہ تعالیٰ کا سررشتہ دار اور ممبر کمیٹی اعتقاد کرتے ہیں غرض الہام ہر وقت نہیں ہوتا اور جب ہو بھی تو الہام کوئی یقینی نہیں ظنی ہے غلط بھی ہوتا ہے صحیح بھی ہاں ہم برکت کے قائل ہیں مگر اُسکے حاصل کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ دنیا داروں سے مشورہ لو اور بزرگوں سے دعا کرالو اور بزرگوں سے ان کاموں میں مشورہ لینے کی وہی مثال ہے جیسا کہ سنار سے کھرپا بنوانا۔ اللہ والوں کا کام دین سکھانیکا ہے یہ کام ان سے نہ لینا چاہئے یہ تو دنیا داروں کا برتاؤ ہے اور جو دیندار ہوا وہ بزرگوں سے تعبیر کا کام لیتا ہے حالانکہ اسکو بزرگی سے کیا علاقہ اگر تعبیر دینا کوئی بزرگی کی بات ہوتی تو ابوجہل بھی بزرگ ہوتا کیونکہ وہ بڑا معبر مشہور تھا بات یہ ہے کہ جسکو کشف کونی یا علم تناسب سے مناسبت ہوتی ہے وہ تعبیر اچھی دیسکتا ہے مگر یہ امر بزرگی سے الگ ہے بزرگی یہ ہے کہ اللہ کا ہو جاوے چاہے ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی کشف و فراست نہو غرض بزرگوں کو تعبیر کی تکلیف دینا بھی زیبا نہیں پھر اُنمیں جو منتظم ہیں وہ حقیقت پر مطلع و متنبہ کر دیتے ہیں اور جو زیادہ خلیق ہیں اُنکی یہ کیفیت ہوتی ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا　　خورند از برائے گلے خارہا

وہ سوچ سوچکر تعبیر دیتے ہیں جو اول تو ما انا من المتکلفین کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ مشغول بحق ہونے میں اتنی دیر کا حرج ہوا تیسرے اس کا یہ نقصان کہ خواب کو اُسکے رتبہ سے زیادہ

ف ابوجہل بڑا معبر تھا

ف خواب سچا بھی ہو تب بھی اس سے قرب نہیں بڑھتا

سمجھنے لگا حالانکہ خواب کی حقیقت محض یہ ہے کہ وہ مبشرات سے ہے یعنی ایک دل خوش کرنیوالی بات ہے باقی قرب تو اعمال سے بڑھتا ہے اور کسی شئے سے نہیں اکثر لوگ گو خواب کو عقیدۃً ظنی جانتے ہیں لیکن حالاً اسکے ساتھ یقینی کا سا برتاؤ کرتے ہیں اور خوابوں پر صاحب کمال ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں میرا معمول ہے کہ جب کوئی اس خیال کا آدمی تعبیر دریافت کرتا ہی تو جواب میں یہ شعر لکھدیتا ہوں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم　　چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یہ تو اُس خواب کا حکم ہے جو واقع میں خواب ہو اور ایسا خواب خود بہت کم ہوتا ہے اور اگر فقط خیال ہی ہے جب تو اسکی طرف متوجہ ہونا محض ہی بیکار ہے بعض دفعہ عوام کو خواب کے متعلق یہ شبہہ ہو جاتا ہے کہ پہلے سے ایسی شئے نہ دیکھی اسلئے یہ خیال کا کام نہیں خواب ہی ہے حالانکہ قوت متخیلہ جو کام بیداری میں کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ خواب میں کر سکتی ہے اسکی تو یہ حالت ہے کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا مثلاً کبھی دوسر کا آدمی خواب میں جوڑ کر کھڑا کر دیا اسلئے اصل بات یہ ہے کہ خواب تو ہوتا ہی اولیا

ف اچھے اور بُرے خواب کے ساتھ برتاؤ

و اتقیاء و صلحاء کا اور ہمارا خواب تو محض خیالی گھوڑ دوڑ ہوتی ہے پس معمول یہ چاہئے کہ اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور شکر کرے اور اگر بُرا دیکھے تو آنکھ کھلنے پر تین بار بائیں طرف تھتکار دے اور اعوذ باللہ پڑھے حدیث شریف میں آیا ہے لن تضرہ ابداً کہ اسکے بعد وہ خواب ہرگز اُسکو نقصان نہ پہنچاویگا اور ایسے خواب کی نسبت یہ بھی ارشاد ہے کہ لا تحدث بہ احداً یعنی کسی سے اسکا ذکر نہ کرو اور دعا کرو کہ خدا اُس کے شر سے محفوظ رکھے اور اگر کوئی انوکھا خواب دیکھو تو ذکر کر دینے میں مضائقہ نہیں مگر ساتھ ہی بے تکلف پہلے ہی یہ بھی عرض کر دیا جاوے کہ اگر خیال مبارک میں کوئی تعبیر آوے تو بتلا دیجئے ورنہ خیر کیونکہ انکا فرض منصبی یہ نہیں ہے کہ تعبیریں دیا کریں بلکہ انکا اصلی کام تو قرب خداوندی کا طریق تعلیم کرنا ہے اسکے سوا اور کسی قسم کا عقیدہ خواب کے متعلق نہ رکھنا چاہئے اسیطرح آجکل بزرگوں سے

ف سفارش کی حقیقت اور حکم

سفارش کراتے ہیں اور اس باب میں بھی عام غلط فہمی ہو رہی ہے سفارش کی حقیقت تو یہ ہی کہ کسی کیواسطے کلمۃ الخیر کہدیا وہ مانے یا نہ مانے اور اگر وہ انکار کر دے تو سفارش کنندہ بُرا نہ مانے چنانچہ حدیث سے اسکا پتہ چلتا ہے حضرت بریرہؓ ایک لونڈی تھیں جنکو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آزاد کر دیا تھا اور یہ مسئلہ ہی کہ جب باندی آزاد ہو جاوے تو اُسکو اختیار ہے کہ نکاح سابق کو باقی رکھے یا فسخ کر دے پس اس اختیار کی بنا پر حضرت بریرہؓ نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا اُنکے خاوند کو غایت محبت کے سبب بہت رنج ہوا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے اُنکے خاوند کے متعلق فرمایا کہ اے بریرہؓ تم اپنے خاوند سے رجوع کر لو تو اچھا ہے بریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپکا حکم ہے یا سفارش حضور نے فرمایا کہ میں سفارش کرتا ہوں

عرض کیا کہ اگر محض سفارش ہے تو میں منظور نہیں کرتی وہ جانتی تھیں کہ سفارش کا قبول کرنا ضروری نہیں اور اگر حکم ہوتا تو ضرور عمل کرتیں اسی لئے تو جواب دینے سے پیشتر دریافت کیا یہ ہے حقیقت سفارش کی اور آپ نے ذرا برا نہیں مانا مگر آجکل اگر کوئی سفارش کو نہ مانے تو پیر صاحب پیٹ بھر کر ناراض ہو جاتے ہیں اسلئے مریدوں کو اُنکی سفارش ضرور ہی پوری کرنا پڑتی ہے چاہے کتنی ہی مشقت اُٹھانا پڑے تو اس حالتمیں سفارش اپنی حقیقت پر کہاں رہی جبکہ اُسکی یہ حالت ہوگئی کہ اگر سفارش پر عمل ہو تو عمل کرنیوالے کو کلفت اور اگر عمل نہ ہو تو سفارش کرنیوالے کو کلفت ایسی سفارش کے تو جواز میں بھی کلام ہے بعض لوگ ان شبہات کو سنکر بھی کہتے ہیں کہ کسی کا کام ہو جاوے تو اچھا ہی ہے میں کہتا ہوں کہ ایک کا کام کرنا جو کہ مستحب تھا اور دوسریکو تکلیف دینا جو کہ حرام ہے کونسی اچھی بات ہے کہ مستحب کیلئے حرام کا ارتکاب کیا جاوے یہ خرابی اسی کی ہے کہ ضروری اور فضول یا مضر میں لوگوں کو امتیاز نہیں بزرگوں سے بجائے تحقیق دین کے کہ اُنکا اصلی منصب ہے فضول یا ناجائز کام لیتے ہیں چنانچہ ایک عالم سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے ایمان کی نسبت سوال کیا اُنھوں نے فرمایا کہ نماز کے فرض تمکو یاد ہیں جواب دیا کہ نہیں فرمایا فرائض نماز یاد کرو جنمیں سے اگر کوئی متروک ہو جائے تو نماز ہی نہ ہو اور نماز وہ چیز ہے کہ قیامت میں سب سے اول اسی کی بازپرس ہوگی اور حضور کے والدین کے متعلق تو کچھ سوال بھی نہوگا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی فضول کو ترک کردے اور کوئی وجہ تو ہے کہ حضور نے مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنیکی ممانعت فرمائی کیا حضرات صحابہ اسکو سمجھ نہ سکتے تھے حالانکہ ہم جیسے بھی کچھ تفصیل سمجھ لیتے ہیں وجہ یہی ہے کہ حضور نے دیکھا کہ مسئلہ تقدیر کی تحقیق پر کوئی کام اٹکا ہوا نہیں جو اعمال کرنیکے ہیں اُنکی تحقیق چاہئے تقدیر پر مجملاً ایمان بالکل کافی ہے اور دیکھو قرآن شریف میں ہے یسألونک عن الاھلۃ یعنی صحابہ دریافت کرتے ہیں کہ چاند چھوٹا بڑا کیوں ہوتا ہے جواب ملا قل ھی مواقیت للناس والحج یعنی چاند کے یہ حالات مختلفہ حج وغیرہ کے اوقات معلوم کرنے کے واسطے ہیں تو سوال تو علت سے تھا مگر جواب میں حکمت بیان کی اس میں یہی اشارہ ہے کہ کام کی بات پوچھو اور غیر ضروری سے پرہیز کرو یہ جواب علی اسلوب الحکیم کہلاتا ہے اور دیکھئے ایک جگہ نص میں تصریح ہے والذین ھم عن اللغو معرضون لغو کے معنی ہیں ما لا نفع فیہ اور یہ عام ہے خواہ مضر ہو یا نہ ہو بس کتاب وسنت تو لایعنی کے ترک کرنے کا حکم دے رہی ہے مگر آجکل عموماً اسی میں ابتلا ہو رہا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ جہل کو مرض نہیں سمجھتے اور ضروری وغیر ضروری میں امتیاز نہیں

ف مسئلہ تقدیر کی تحقیق پر عمل کا مدار نہیں

کرتے اور اس عدم امتیاز کا منشا بھی وہی جہل ہے اگر لوگ جہل کو مرض سمجھتے تو اُسکے رفع کرنیکی فکر میں لگتے فضول قصوں میں وقت ضائع نہ کرتے اور دین کی ضروری بات کو ضرور دریافت کرتے اسیواسطے حضورؐ نے اس حدیث میں جسکی میں نے تلاوت کی ہے متنبہ فرمادیا کہ جہل مرض ہے پس ایک فائدہ تو یہ ہے حدیث شریف میں جو کہ لفظ شفاء سے مستنبط ہوا۔ دوسرا فائدہ لفظ سوال سے معلوم ہوا وہ یہ کہ جب جہل مرض ہوا تو ظاہراً اسکی شفاء علم کو فرمانا چاہئے تھا لیکن حضورؐ نے بجائے علم کے لفظ سوال فرمایا اس تعبیر کے لئے کسی مصحح اور مرجح کیضرورت ہے پس مصحح تو یہ ہے کہ سوال سبب ہے علم کا پس حقیقت میں مقصود علم ہی ہے اور مرجح یہ ہے کہ حضورؐ نے ماجعل علیکم فی الدین من حرج اور یرید اللّٰہ بکم الیسر اور الدین یسر کے موافق بوجہ شفقت کے لفظ سوال فرماکر یہ بتلادیا کہ تم سوال کر کے سبکدوش ہوجاؤ گے خواہ علم حاصل ہو یا نہ ہو پس شفاء العی السؤال اور شفاء العی العلم میں فرق یہ ہے کہ اگر کسی سائل نے مسئلہ پوچھا لیکن مسئول عنہ نے جواب ندیا یا غلط جواب دیا پس اگر علم فرماتے تو شفا ہونے کا حکم ان صورتوں کو شامل نہوتا بلکہ شفا کی صرف ایک ہی صورت ہوتی یعنی جبکہ مسئول عنہ جواب دے اور صحیح جواب دے اور اب یعنی لفظ سؤال ارشاد فرمانے میں تینوں صورتوں کو یہ حکم شفا شامل ہوگیا پس خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ سائل ہر حال میں شفا یابوں میں داخل ہوگیا اور اسمیں ایک قاعدہ فقہیہ اَلْقَادِرُ بِقُدْرَۃِ الْغَیْرِ غَیْرُ قَادِرٍ کیطرف اشارہ ہوگیا جسکو فقہا نے سمجھ لیا اور واقعی فقہا سمجھتے ہیں ان نکات کو پس فقیہ وہ ہے جو اجتہادی شان رکھتا ہو خواہ مطلق خواہ مقید ہم اس سے محروم ہیں غایت یہ کہ ہم اصول سے بعض فروع کو مستنبط کرسکتے ہیں مگر قرآن و حدیث سے خود اصول فقہ کا مستنبط کرنا یہ انھیں حضرات کا کام ہے ہر شخص چار کتابیں پڑھکر اجتہاد کا دعویٰ کرنے لگے تو مقبول نہوگا ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اجتہاد کیلئے ذوق صحیح شرط ہے فقط پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد — بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

علم تو موئے و میان ہے اور ذوق آن ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا ھل خصکم رسول اللّٰہ بشیئ یعنی آپکو حضورؐ نے کوئی ایسی شے دی ہے جو اوروں کو نہیں دی جواب دیا الا فھما اوتیہ الرجل فی القرآن یعنی حضورؐ نے ہمکو کوئی خاص بات نہیں بتلائی ہاں ہمکو

ف حدیث میں سوال کے لفظ کا نکتہ

دین کی ایک خاص سمجھ عطا کی گئی ہے غرض اس حدیث سے یہ ایک اصل فقہی مستنبط ہو گئی کہ القادر بقدرۃ الغیر غیر قادر چنانچہ ظاہر ہی کہ سوال کے بعد کیا جواب صحیح معلوم کر لینا اسکی قدرت میں ہی ہرگز نہیں اسکا تو اتنا ہی اختیار ہے کہ قابل سے (یعنی عالم کامل سے) سوال کرے اگر وہ انکار کر دے یا غلط جواب دے تو یہ کیا کر سکتا ہے البتہ حضورؐ نے عالم کو تاکید فرمائی ہے کہ سائل کو ضرور جواب دو بشرطیکہ وہ عمل کیلئے سوال کرے یا جن علوم کا حاصل کرنا شرعاً فرض ہے انمیں محض علم کیلئے نہ کہ بحث کیلئے چنانچہ ارشاد ہی من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ الجم بلجام من النار اسی طرح حضورؐ نے صحیح جواب دینے کی بھی تاکید اور اسکے خلاف پر وعید فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہی من افتی بغیر علم فانما اثمہ علی من افتاہ پس آپ نے مجیب کیلئے افادہ علم کا بھی پورا انتظام کیا ہی مگر کوئی اسکے بعد بھی انکار کر دے یا غلط بتلا دے تو اگر شفاء العی العلم فرمایا جاتا تو اس صورت میں سائل کو حسرت ہوتی کہ مرض جہل میں مبتلا رہا اور شفا نہوئی اس حسرت کو دور کرنیکے لئے فرماتے ہیں کہ سوال کرنا ہی شفا ہی چاہے جواب ملے یا نہ ملے یا چاہے غلط ملے کیونکہ جو کام تیرے قبضے کا تھا وہ تو کر چکا ہاں اگر پھر دریافت کرنیکی قدرت ہو تو دریافت کرے ایکمرتبہ سوال کرنیسے جواب نہ ملے تو خاموش نہ بیٹھ رہے بلکہ اسی عالم سے یا اور کسی عالم سے پھر دریافت کرے البتہ اگر یہ کوشش کرتا رہا اور جواب نہ ملا یا غلط ملا تو اسکو گناہ نہوگا بلکہ دونوں صورتوں میں مفتی کے ذمہ گناہ رہا جیسا کہ دونوں حدیثیں ابھی گزریں ۱۲ جامع) اسی کیطرف اشارہ کرنیکے واسطے لفظ سوال فرمایا لفظ علم نہیں فرمایا پس معلوم ہوا کہ تینوں صورتوں میں شفا کی نعمت حاصل ہوگی اگرچہ بظاہر صرف جواب صحیح ملنے کیوقت شفا کا حصول معلوم ہوتا ہے اسی کو مولانا رحؒ فرماتے ہیں ؎

گر مرادت را مذاق شکر ست ۔۔۔ بے مرادی نے مراد دلبر ست

گو اسمیں بظاہر خطاب اہل سلوک کو ہی مگر سائل احکام کا بھی سالک ہی ہے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے جو کوئی یہ کہتا کہ مجکو ذکر سے کچھ نفع نہیں ہوا تو دو جواب ارشاد فرمایا کرتے کبھی تو یہ فرماتے کہ کیا یہ نفع نہیں کہ تم نے اسکا نام لیلیا ع بلا بودے اگر ایں ہم نبودے + اور کبھی ارشاد فرماتے ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم ۔۔۔ حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

حضرت مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم ۔۔۔ کہ من نیز از خریداراں اویم
ہمینم بس اگر کاسد قماشم ۔۔۔ کہ من نیز از خریدارانش باشم

مولانا رومی رحؒ نے اس مسئلہ پر قرآن شریف سے استدلال کیا ہے کہ کوشش اور طلب بھی کامیابی ہی

ف عالم سائل کو جواب ضرور دے اور غلط جواب نہ دے

ف سعی بھی کامیابی ہے

کے حکم میں ہے اور انکے استدلال کے بھروسہ پر ہمکو بھی اس مسئلہ کے بیان کی ہمت ہوتی ہے ورنہ وہ گھڑت ہوتی وہ استدلال یہ ہے کہ سورۂ انا فتحنا لک فتحا مبینا واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کو تشریف لیگئے تھے مگر عمرہ نہ ہوسکا بلکہ حدیبیہ ہی سے واپس آگئے تھے تو اکثر مفسرین نے اس فتح سے فتح مکہ مراد لی ہے اور فتحنا لک کو سنفتح کے معنی میں لیا ہے اور یہ مضمون بھی صحیح ہے مگر مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس فتح سے خود صلح حدیبیہ ہی مراد ہے کیونکہ گو ظاہر میں ناکامی ہوئی مگر باطنی دولتیں اس ناکامی میں اتنی عطا ہوئیں کہ اُن کے اعتبار سے یہ واقعہ فتح مبین ہوگیا یعنی ہمنے اس عدم فتح میں بھی آپکو فتح ہی عطا کردی چنانچہ ایک بڑی دولت تو یہی ہے کہ اس مشقت پر ثواب عظیم ملا اسی کو محققین نے مختلف عبارات میں ادا کیا ہے ایک بزرگ کا قول ہے ؎

اريد وصاله ويريد هجری ‌ ‌ ‌ فاترك ما اريد لما يريد

عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

میل من سوے وصال و میل او سوئے فراق ‌ ‌ ‌ ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

سب کا خلاصہ یہی کہ طلب کے بعد ناکامی بھی کامیابی ہی ہے اسی پر راضی رہنا چاہئے یہاں ظاہر بینوں کو عارف شیرازی کے اس شعر پر شبہہ ہوتا ہے کہ فراق پر راضی ہونا تو کفر ہے کیونکہ فراق تو کافروں کیواسطے ہے اور رضا بالکفر کفر ہے مگر در حقیقت یہ ایک اصطلاح ہے صوفیہ کی ؎

ہر یکے را سیرتے بنہادہ ایم ‌ ‌ ‌ ہر کسے را اصطلاحے دادہ ایم

اور وہ اصطلاح اس شعر سے معلوم ہوتی ہے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب ‌ ‌ ‌ کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

اب دیکھو فراق کے وہ معنی ہیں جو رضائے دوست کے ساتھ جمع ہوسکیں اور وہ حالت قبض کی ہے اسکو زعم سالک کے اعتبار سے فراق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اسکو بُعد سمجھتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ جس قبض کو تم بُعد و فراق سمجھتے ہو اور جس بسط کو تم قرب و وصال سمجھتے ہو اُنکی طرف التفات مت کرو رضا کو مطلوب سمجھو اسی قبض سے ناگواری نہ ہونے کو دوسرے مقام پر عارف رومی اس طرح فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آید تو در وے بسط بیں ‌ ‌ ‌ شاد باش و چیں میفگن بر جبیں
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو ‌ ‌ ‌ آں صلاح تست آیس دل مشو

اور اسکے صلاح ہونے کو ایک بزرگ اس عنوان سے فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ‌ ‌ ‌ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اور مولانا اس عنوان سے فرماتے ہیں ؎

طفل می لرزد زنیش احتجام ‏ ‏ ‏ ‏ مادر مشفق ازان غم شاد کام

یہ تو اجمالاً حکمتوں کا بیان تھا باقی قبض میں جو حق تعالیٰ شانہ کی حکمتیں ہیں وہ بیشمار ہیں اُن کو تفصیلاً کون بیان کرسکتا ہے وہ بھی اسی آیت کے عموم میں داخل ہیں قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثلہ مددا لیکن مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے موافق مثال کے طور پر کچھ بیان کرتا ہوں کہ قبض میں ایک حکمت مثلاً یہی ہے کہ سالک کو اگر ہمیشہ بسط رہے تو اکثر اُس سے دعوی اور پندار پیدا ہو جاتا ہے جس سے دفعتہً اندھیر ہو جاتا ہے اسلئے قبض وارد کر دیتے ہیں تا کہ عُجب سے محفوظ رہے اور یہ بھی حقیقت میں بڑی کامیابی ہے اسی بناء پر فرماتے ہیں ؎

ف قبض کی حکمتیں بھی کلمات رب میں داخل ہیں

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ‏ ‏ ‏ ‏ ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

غرض یہاں تو ناکامی بھی کامیابی ہی ہے ؎

گر مرادت را مذاق شکر است ‏ ‏ ‏ ‏ بے مرادی نے مراد دلبر ست

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مسئلوں کی دکان تو مولویوں کے پاس رکھا دی ہے اور تعویذوں کی حاجی محمد عابد صاحب کے پاس غرض مرادیں اسطرح تقسیم ہو گئیں اب میرے پاس صرف نامرادی ہے جسکو مرادیں لینا ہوں اُن بزرگوں کے پاس جائے جسکو نامرادی لینا ہو میرے پاس آئے پہلے پہلے میری سمجھ میں یہ جملہ نہیں آیا مگر خود حضرت کے بتلانے سے اب کہہ رہا ہوں فرمایا کہ نامرادی سے مراد عشق ہے کیونکہ عاشق ہمیشہ نامراد ہوتا ہے اُسکو کسی مراد پر بھی قرار نہیں ہوتا ترقی ہی کا طالب ہوتا ہے اسلئے ہر دم ناکام اور نامراد ہی رہتا ہے بس اسکا یہ حال ہوتا ہے ؎

ف عاشق نامرادی ہی رہتا ہے

دلارام در بر دلارام جوئے ‏ ‏ ‏ ‏ لب از تشنگی خشک بر طرف جوئے

نگویم کہ بر آب قادر نیند ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

اور واقعی جب طریق کا حال یہ ہے کہ ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

تو پھر عشاق نامراد کیوں نہ رہیں اسی کو فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ‏ ‏ ‏ ‏ ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

بس عاشق ہر منزل پر نامراد اور ناکام ہی ہوا یہ مطلب تھا حاجی صاحب رح کا جو اُن کے

بتلانے سے معلوم ہوا اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ عارفوں کے قول پر جلدی سے اعتراض نکرنا چاہئے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

شاید کوئی یہ شبہہ کرے کہ وہ حضرات پہلے ہی سے کیوں نہیں بتلا دیتے کہ ہمارا یہ مطلب ہے تاکہ اعتراض کا موقع ہی نہ ہو سو جواب یہ ہے کہ اُن کا دستور العمل ہی یہ ہے ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی — بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

یعنی وہ اہل کو بتلاتے ہیں نا اہل کو نہیں بتلاتے گو نا اہل اُن پر اعتراض کرتے رہیں مگر اسکی اُنکو پرواہ نہیں ہوتی۔ اہل ظاہر کا تو مذاق یہ ہے کہ اگر ان پر اعتراض ہو تو خفا ہوتے ہیں اور آستینیں چڑھا کر جواب دینے پر تیار ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ اعتراض پر خوش ہوتے ہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے کسی مرید کو بدگمان کردے تو میں انعام دوں اور اگر کسی عالم مرید کو بدگمان کردے تو زیادہ انعام دوں۔ بات یہ ہے کہ معتقدین سے اُنکو توحشت ہوتی ہے اہل ظاہر خوش ہوتے ہیں بلکہ وہ تو معتقدین سے ذاتی تعلق بھی رکھتے ہیں اور اہل اللہ محض محبوب کا حکم سمجھکر خدمت کرتے ہیں لوگ اُنکو بدنام کرتے ہیں کہ وحشی ہیں بدخلق ہیں تمکو کیا خبر ہے کہ اُنکی کیا حالت ہے تمہیں تو مزہ آتا ہے ان خرافات میں اور انکو گھبراہٹ ہوتی ہے اُنکو ایک وحدہ لاشریک لہٗ سے علاقہ ہے انکو گوارا نہیں کہ وہ اور کسی کیطرف توجہ کریں یوں وہ خدمت تو کرتے ہیں خلق کی مگر اسمیں اُنکو نفسانی لطف نہیں آتا یہ درمیان میں جواب تھا اُن حضرات کے اپنے کلام کی شرح نکرنے کا اصلی مضمون یہ تھا کہ اس طریق میں ناکامی بھی کامیابی ہے پس حدیث میں گویا ارشاد ہے کہ اگر تمکو سوال کے بعد جواب نہ ملے تو حسرت نکرنا کیونکہ تمکو تو شفا حاصل ہو گئی ہمارے نسخہ میں ہر حال میں شفا ہی ہے اسی واسطے حضورؐ نے بجائے علم کے سوال کا لفظ اختیار فرمایا ہے اور تیسرا فائدہ حدیث میں وہ ہے جو ضمناً مذکور ہو چکا یعنی یہ کہ قادر بقدرۃ غیر قادر نہیں اور یہ کہ انسان امور اختیاریہ کا مکلف ہے نہ کہ غیر اختیاری کا سبحان اللہ ذرا سے جملہ میں کتنے علوم بھرے ہوئے ہیں میں حدیث کی شرح کرچکا اب اس سے سبق لینا چاہئے یعنی اسپر عمل کرنا چاہئے کہ مسائل ضرور یہ دریافت کیا کیجئے دیکھئے حضورؐ نے کتابیں پڑھنے کو واجب نہیں فرمایا بلکہ بیحد سہولت کردی کہ پوچھتے ہی رہا کرو سوال کرتے رہنے سے بہت جلد مسائل یاد ہو جاوینگے اور دقت بھی نہو گی پس میرا مقصود یہی تھا کہ اصل مرض بدعملی اور بے علمی ہے اور بے علمی بدعملی کی جڑ ہے اگر کوئی شبہہ کرے کہ جڑ کس طرح ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض عالم بھی بے عمل ہوتے ہیں تو وہاں بدعملی بدون بے علمی کے پائی گئی حالانکہ بدون جڑ کے شاخ کا وجود نہیں

ف حضرت گنگوہی کا عارفانہ قول

ف انسان امور غیر اختیاری کا مکلف نہیں

ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ آپ نے علم کے معنی فقط دانستن کے لئے ہیں حالانکہ قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے کہ رفع جہالت کیلئے محض دانستن کافی نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ایک جگہ انما التوبۃ علی اللّٰہ للذین یعملون السوء بجہالۃ سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علم کیساتھ گناہ کرنیسے توبہ قبول نہیں ہوتی اور دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً بھی گناہ کرے تب بھی توبہ قبول ہوجاتی ہے تو محققین نے رفع تعارض کیلئے فرمایا ہے بجہالۃ قید واقعی ہے احترازی نہیں جب قید واقعی ہے تو آیت اس پر دال ہوگی کہ گناہ ہمیشہ جہل ہی سے ہوتا ہے اور علم کے ہوتے ہوئے معصیت ہو ہی نہیں سکتی تو معلوم ہوا کہ علم کی حقیقت کوئی ایسی چیز ہے جسکے ساتھ معصیت جمع نہیں ہوتی اور وہ حقیقت یہ ہے کہ "اعتقاد جازم مطابق واقع مع غلبۃ الحال والاستحضار" اور ظاہر ہے کہ اس غلبہ و استحضار کے ہوتے ہوئے گناہ ہونا ممکن نہیں پس گناہ کرنیوالے کو گو علم بمعنی دانستن ہوتا ہے مگر اعتقاد جازم مع الاستحضار و غلبۃ الحال نہیں ہوتا پس ثابت ہوگیا کہ علم کیساتھ بدعملی نہیں ہو سکتی پس میرا دعویٰ صحیح رہا کہ بدعملی کی جڑ بے علمی ہے اور یہی تفسیر لایزنی الزانی وھو مومن میں بھی جاری ہوگی اسطرح سے کہ ایمان کے معنی ہیں تصدیق اور تصدیق علم ہے پس مومن کے معنی عالم بعذاب المعصیۃ کے ہونگے تو معلوم ہوا کہ علم اور زنا جمع نہیں ہوتے جس سے تفسیر مذکور کی تائید نکل آئی اور علماء ظاہر کو بھی لفظ بدل کر یہی تفسیر کرنا پڑی یعنی انھوں نے مومن کامل مراد لیا ہے اور کمال ایمان کا وہی حاصل ہے جو اعتقاد جازم مع غلبۃ الحال کا ہے پس ان دلائل سے اصل مرض بے علمی ٹھہرا اور بدعملی اسکی فرع (اور بدیں معنی تحصیل علم کیلئے ایسے ہی حضرات کی صحبت کیضرورت ہے جنھوں نے علم کی یہ حقیقت سمجھی ہے ایسی ہی صحبت کی ترغیب میں مولانا رح فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار و مرد حال شو　　　　پیش مرد کاملے پامال شو

رزقنا اللہ وایاکم ۱۲ جامع) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے علمی و بدعملی کا علاج بہت ہی سہل اور مختصر فرما دیا ہے چونکہ اس کی تفصیل و اہتمام کیضرورت تھی اسلئے کسیقدر بیان طویل ہوگیا تاکہ اسکا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہو ورنہ بات صرف اتنی ہے کہ ناواقف کو احکام کا دریافت کرنا ضروری ہے اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ سبکو توفیق عطا فرماویں وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۱ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ　　　　اشرف علی

علم کی حقیقت

خلاصۂ وعظ از مرتب

(۱) جب ہر مسلمان کو اطاعت خدا ضروری ہے اور اطاعت بغیر علم کے ممکن نہیں تو ہر مسلم کو علم شریعت لازم ہوا اور جہل معصیت ہوا۔ (۲) بعض اعتبار سے حق العباد کا اہتمام حق اللہ سے زیادہ ہونا چاہئے اور ہم ہیں کہ چندہ لینے میں سفارش کرنے میں جبر کرتے ہیں میراث میں بہت غلطیاں کرتے ہیں مثلاً میت کے کرتا یا جامہ قلم پنسل سوئی تاگا کو میراث جانتے ہی نہیں بعض چیزیں قبل تقسیم ہبہ کرتے ہیں۔ لڑکی بہن کو حصہ نہیں دیتے۔ انکے رسمی معاف کر دینے کو معتبر سمجھ لیتے ہیں۔

(۳) مسائل کا سیکھنا الگ فرض ہے اور اسپر عمل کرنا الگ فرض ہے۔ عمل نہ بھی کرنا ہو تب بھی مسائل پوچھے تاکہ علم نہ سیکھنے کے گناہ سے تو بچ سکے پھر خدا نے چاہا تو عمل کی بھی توفیق ہو جائیگی مگر مسائل پوچھنے میں استفادہ مقصود ہو نہ کہ امتحان اور نہ اسکا نام لیکر دوسرے علما تک اسکا قول پہونچائے

(۴) جو بھی کفر کا کام کریگا خواہ اسکے عقائد کفریہ نہ بھی ہوں وہ کافر ہے اور اُسکے لئے ابدی عذاب ہے مثلاً کوئی مسلمان زُنار تفریحاً پہن لے۔ (۵) روحانی مرض مثلاً کفر، شرک، جہل وغیرہ سے اکثر جسمانی مرض پیدا ہو جاتے ہیں اسمیں مناسبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ناخوش ہو کر جراثیم پیدا کر دیتے ہیں۔

(۶) سچّا خواب محض دل خوش کن چیز ہے تاکہ دل بڑھے اس سے قرب حق بالکل نہیں بڑھتا۔ پس بُرے خواب پر خدا کی پناہ مانگے اور کسی سے نہ کہے اور اچھے خواب کو کسی عالم یا عاقل سے کہے مگر تعبیر کی فرمایش نہ کرے (۷) علم کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کا ایسا پکّا اعتقاد کہ اسکا حال بنجائے اسی لئے حضور نے لایزنی الزانی وہو مومن فرمایا۔

مواعظ مطبوعہ

۱۔ شرف المکالمہ ۴؍ ۲۔ الحج المبرور ۶؍

ملنے کے پتے:۔

۱۔ محمد سراج الحق مچھلی شہری ناظم مکتبہ جامی واخوانہ نمبر ۳۶۳ حسن منزل الہ آباد۔

۲۔ عطاء اللہ تاجر کتب متصل کوتوالی الہ آباد۔

۳۔ مولانا ظہور الحسن صاحب ناظم کتبخانہ امداد الغربا سہارنپور۔

۴۔ اکرام الدین صاحب۔ مرغوب بکڈپو۔ چوراہہ مول گنج کانپور۔

۵۔ عبد القیوم صاحب کتبخانہ خانقاہ۔ فتحپور تال نرجا ڈاکخانہ بھپورہ ضلع اعظم گڈھ۔